میں ہوں لیڈر

صائب عاصمی

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پیش لفظ

(جناب نازؔ انصاری)

صابؔ عاصمی ملک کا ایک جوان سال شاعر اور ادیب ہے جس کے نزدیک شاعری محض "قافیہ پیمائی" کی بجائے۔ ان حقیقتوں کی "پردہ کشائی" کا نام ہے جو سرسری نظر میں معمولی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر درحقیقت ان سے کتابِ حیات کا تمام تر نفسِ مضمون وابستہ ہوتا ہے۔ اور اس کی نظر میں ادب اور زندگی بھی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

اگر ہمارا مقصد ایک مسرت بخش زندگی بسر کرنا ہے تو ہمیں آرٹ اور کلچر کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ آرٹ اور کلچر زندگی سے علیحدہ نہیں۔ فی الحقیقت ان کے بغیر ہم پر مسرت اور پُرامن زندگی حاصل نہیں کر سکتے۔

(انگریزی عبارت سے ترجمہ)

اس نے اپنا یہ قول اپنے لیٹر فارمز پر چھپوا رکھا ہے چنانچہ وہ شعر وادب سے زندگی کی مختلف وجدانی کیفیات - واقعاتی تجربے اور اس عبوری دور کے گونا گوں ناگزیر تقاضوں کی ترجمانی کرنے کا خوگر ہے وہ سماج ..... مگر وہ سماج کی فرسودہ کہن سال اور تنگ نظری کے آئینہ دار رسم ورواج کا باغی ہے' وہ خلوص اور سچائی کو عریاں انداز میں دیکھنے کا متمنی ہے' وہ ریاکارانہ اور تصنع میں ملفوف گفتگوؤں کا دشمن ہے' اُسے منافقانہ روش سے خدا واسطے کی عداوت ہے اور زندگی کے پرانے اور کھوکھلے تقاضوں کو حقارت' اور نفرت کی نظروں سے دیکھتا ہے -

اس کی جتنی بھی تصانیف اب تک معرضِ وجود میں آئی ہیں - وہ تمام کی تمام اسی حقیقت کی غماز ہیں - زیرِ نظر کتاب بھی منافق اور ریاکار لیڈروں کے اعمال وکردار کا ایک آئینہ ہے ... ان لیڈروں کے اعمال وکردار کا - جو اپنے آپ کو بظاہر قوم وملت اور وطن کے پُرجوش بہی خواہ ظاہر کرتے ہوئے نہیں تھکتے - مگر در پردہ وہ اپنی قوم وملت اور وطن کے خوفناک دشمن ہوتے ہیں - جن کا شیوہ ہی قوموں کو آپس میں لڑانا - انسانی خون کو پانی کی طرح ارزاں کرنا' اغیار کے مفاد کے لئے ضمیر فروشی کو جزو ایمان بنا لینا - قوم وملت کی جیبوں پر ڈاکے

ڈالت اور انسانی دلوں میں کینہ، بغض، حسد، تعصب اور منافقت کے جذبات کی تخلیق کر کے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے۔ یہ کتابچہ ایک آئینہ ہے۔ ہماری منافقت آفرین لیڈرشپ کا جس میں ہر خود فریب لیڈر اپنا منحوس چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

مصنف نے اسے ڈائری کے انداز میں لکھا ہے، اگرچہ اب یہ انداز کافی ترقی حاصل کر گیا ہے۔ مگر "میں ہوں لیڈر" اس طرز کی ڈائری ہے جو دوسری ڈائریوں سے انداز تحریر اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے قطعی مختلف ہے۔ اور ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف یہ ڈائری لکھتے ہوئے اپنی شاعرانہ اور ادیبانہ شخصیت بھول کر اور تصور و تخیل کے خلوت کدوں سے نکل کر سٹیج کی خطیبانہ رونقیں بن گیا ہے۔ چنانچہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتابچہ واقعی کسی "لیڈر" کی گمشدہ ڈائری کے چند ایسے اوراق ہیں جن میں اس نے اپنے منافقانہ و ریاکارانہ کردار کو عریاں انداز میں پیش کیا ہے۔

اردو ادب میں یہ کتاب یقیناً ایک قابل قدر اضافہ کہی جا سکتی ہے۔ اور ان بھولی بھالی قوموں اور ملتوں کے لئے سامان نصیحت و موعظت ہے۔

جو ایسے لیڈروں کی آتش بیانیوں اور سحر کلامیوں پر فریفتہ ہیں اور ہر چمکدار چیز کو سونا تصور کرنے لگتی ہیں۔ ان کی نظریں سراب کی فریب خوردہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

قارئین خود اندازہ کریں کہ "میں ہوں لیڈر" کس قدر تلخ اور کڑوی حقیقتوں کی غمازی کر رہی ہے؟ یہ کسی لیڈر کی واقعی خودنوشت ڈائری تو نہیں؟

مصنف نے "میں ہوں لیڈر" کو لکھتے ہوئے کسی خاص شخصیت کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس نے اس رنگ سے چٹکیاں لی ہیں کہ ہر وہ شخص جس کے اعمال و کردار اس سے تطابق کرتے ہوں اسے اپنی طرف محمول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس آئینہ میں اس کی لیڈری کے تمام خدوخال نمایاں نظر آتے ہیں۔

۲۴ اکتوبر

اسٹیشن پر میرا شاہانہ استقبال، ہنگامہ خیز اجلاس، حاضرین کا امڈتا ہوا سیلاب، زندہ باد کے پرجوش نعرے، ریزولیوشنوں کی بھرمار، ولولہ انگیز تقریریں اور پے در پے دعوتیں، دن بھر کی ان گہما گہمیوں کے باعث کتنی تکان محسوس ہو رہی ہے؟

میری آج کی تقریر کا موضوع قدرے مشکل تھا۔ لیکن چونکہ گذشتہ رات لکھی ہوئی تقریر طوطے کی طرح رٹ لی گئی تھی اس لئے تمام خارزار دل سے دامن بچاتا ہوا صاف نکل آیا۔ جلسوں میں اخباروں کے ایڈیٹر مسجدوں کے ملا، کالجوں کے پروفیسر، اور مدرسوں کے استاد سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مقرر تمام حاضرین جلسہ کو بے وقوف اور صرف ایک اپنے آپ کو عقلمند تصور نہ کرے تو اس کے لئے تقریر کرنا وبال ہو جائے ہٹلر جرمنی کا، مسولینی اٹلی کا، ٹوجو جاپان کا لیڈر تھا، اور میں اپنی قوم کا لیڈر ہوں۔ لوگوں کے دل میری مٹھی میں ہیں، میں ایک لمحے میں انکے خیالات کی دنیا بدل دیتا ہوں۔ میں نے دلوں اور دماغوں پر قبضہ کیا ہوا ہے لوگوں کی زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے اور ان کا گریہ و تبسم میرے بس میں۔

رات کے دو بجنے کو آئے ہیں، کمبخت رات بھی تو شب فراق ہی

بن گئی ہے۔ صبح کا پروگرام اتنا دلفریب اور رات ہے کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتی۔ کل مجھے امرتسر جانا ہے پھر میرا وہی شاہانہ استقبال، ہنگامہ خیز اجلاس۔ حاضرین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، زندہ باد کے فلک شگاف نعرے۔ ریزولیوشنوں کی بھرمار۔ ولولہ انگیز تقریریں اور پُرتکلف دعوتیں دعوتوں میں دسترخوان پر اور تو سب ہی کچھ ہوتا ہے لیکن اگر شامی کباب اور وسکی نہیں ہوتی تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میری صبح وصال کے لئے مرغ گناک اور مدو پروتن لنگ" ہو گئے ہیں۔ میری حالت اس پتنگے کی سی ہو رہی ہے جو عید کے انتظار میں رات بھر تارے گنتا ہے۔

طرفہ سروکارے ست کہ با وعدۂ معشوق
ما بر نتواں بود و تقاضا نتواں کرد

(امیر خسروؒ)

۹

۲۵ ر اکتوبر

بڑی مرادوں اور منتوں کے بعد صبح وصال نے اپنا نورانی چہرہ دکھایا جس کی چمک میں میری لیڈری کے جاہ جلال کا راز پنہاں ہے سینکڑوں لوگوں کے جلو میں مجھے اسٹیشن پر لے جایا گیا اور زندہ باد کے پرجوش نعروں کے درمیان "الوداع" کہا گیا۔ گاڑی جس جس سٹیشن پر رکی۔ میرے ادنیٰ سے اشارہ پر ہندو مسلم فساد کرنے والے اور شیروں کی طرح سینے تان کر گولیاں کھانے والے والنٹیئر استقبال کو موجود پائے گئے۔ ملک کے ہر اخبار نے موٹی موٹی سرخیوں سے اجلاس دہرہ دون کی کارروائی چھاپی ہے اور میری شخصیت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ میں کیا سے کیا ہو گیا ہوں۔ کل تک تو ایک معمولی وکیل تھا، اور وکالت میں جو آمدنی تھی۔ بخوبی معلوم ہے اور آج ملک کے گوشہ گوشہ میں میرا ہی طوطی بول رہا ہے۔ جس وقت اخبارات میں اپنا نام پڑھتا ہوں تو سر آسمان سے ٹکرانے لگتا ہے۔

آج کے میزبان کی لڑکی کتنی حسین ہے؟ یہ جاڑوں کی ٹھنڈی رات کاش وہ زینت پہلو ہوتی۔ شام کو کھانا کھاتے وقت وہ سامنے کرسی پہ بیٹھی ہوئی کتنی پیاری معلوم ہوتی تھی؟ کیا بھولا بھالا چہرہ تھا اس کا؟ اس نے اپنی متبسم نظریں میرے پُرجلال چہرہ پر گاڑ رکھی تھیں۔ شاید وہ

میرے چہرہ کی کتاب میں میری شخصیت کا مطالعہ کر رہی تھی - میں نے جب اس کے ابا سے کہا "صاحبزادی پڑھتی ہے؟ تو اس نے خود ہی ایک عجیب دلفریب انداز سے جواب دیا تھا "ہاں قبلہ" ایف ایس سی میں پڑھتی ہوں" وہ اس کے گلاب کی پتیوں ایسے ہونٹ اور وہ اس کے کوثر و تسنیم سے ڈھلے ہوئے الفاظ ابھی تک بہشت گوش بنے ہوئے ہیں آہ ان مختصر الفاظ میں معانی کی کتنی دنیائیں پوشیدہ ہیں؟

یہ بھیگی رات، یہ ٹھنڈا آسماں، یہ کیف بہار
یہ کوئی وقت ہے پہلو سے اٹھ کے جائیگا

وہ تو اک ٹکڑا تھی چاند کا۔

ماہِ من در نیم شب چوں بے نقاب آید بروں
زاہد صد سالہ از مسجد خراب آید بروں

اور اقبال نے تو کہا ہے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

اپنے نصیب میں کلیاں ہوں، تو قناعت کرنے کا خیال بھی پیدا ہو، اور گلشن میں اپنی تنگ دامانی کا کوئی علاج ڈھونڈوں۔ مگر کیا کیا جائے کہ میں صحن گلشن میں ہوں مگر شکوہ سنج تہی دامانی ؎

ہائے قسمت ۔ بس نہیں اک پھول بھی
ہم چمن میں بھی تہی داماں رہے (دعا)

افتخار کی والدہ کا خط آیا ہے لکھا ہے "پہلے اپنی اور اپنے گھر کی اصلاح کرو۔ پھر قوم کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھانا۔ افتخار نے سکول جانا چھوڑ دیا ہے۔ دن بھر کھلنڈرے لڑکوں کے ساتھ پھرتا رہتا ہے۔ اور جوئے میں داؤ لگانا بھی سیکھ گیا ہے" مگر وہ کیا جانے؟ کہ قوم کے لئے آخر یہ قربانیاں کرنا ہی پڑتی ہیں۔ دیوانگانِ لیلائے شہرت کے راستے میں وہ کونسی مشکل ہے جو پیدا نہیں ہوتی؟
وہ عورت ذات.... بےچاری عقل کی موٹی ہے۔ سمجھدار ہو تو خدا کا شکر ادا کرے۔ جس نے مجھے ایک سحر کار مقرر بنا کر قوم میں بھیجا ہے اور میری تقریر میں بجلیاں چھپا دی ہیں۔ قوم میری ادنیٰ ادنیٰ اپیلوں پر اپنا تن من دھن قربان کرنے کو کمربستہ ہے۔ کل کے منعقدہ اجلاس میں دس ہزار روپیہ کا چندہ اکٹھا ہوا تھا۔ افتخار کی امّی کو کون سمجھائے کہ یہ روپے آخر سوا اس کے کسی اور کے بھی ہو سکتے ہیں؟ مجھے کل والی تقریر کا لفظ لفظ یاد ہے جب میں نے کہا تھا۔
"حضرات! جب تک تم رسول کریمؐ اور صحابہ اجمعینؓ کی مبارک زندگیوں کے اسوہ کو مشعلِ راہ نہیں بناؤ گے

اس خاکی زمین کے فرش پہ اور اس نیلی فام آسمان کے
خیمے تلے کبھی عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکو گے۔ تاریخ
اسلامی کے اُس زرین واقعہ کو یاد کرو جب دنیا کے مقنن اعظم
کے ارشاد پر ابوبکر صدیق اپنا سب کچھ لے آرہے تھے۔ اور
جب ان سے پوچھا گیا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو ؟ تو فرمایا
کہ خدا اور اُس کا رسول

"پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس" (اقبال)

تو سامعین بے اختیار نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اپنے ہاتھ جیبوں کی طرف
لے گئے تھے اور سکوں کی چھناچھن کی میٹھی صدائیں سُن سُن کر میرا دل بلیوں
اُچھلنے لگا تھا۔ بیچاری عورتوں نے اپنے کانوں سے بالیاں تک اتار کر
میرے والنٹیروں کے حوالے کر دی تھیں۔ کیا افتخار کی ماں کو وہ دن
بھول گئے جب وہ بالیوں کو ترستی تھی۔ ہاں افتخار کی آوارہ خرامی واقعی
افسوسناک ہے۔ میں تو اِدھر نعرہ لگائے جیتوں اور وہ جوئے میں
ہارتا چلا جائے ؟

آج کی تقریر بھی کامیاب رہی ہے۔ آسمان کئی روز سے سحاب
آلود تھا میں نے تقریر جوں ہی شروع کی چھما چھم مینہ برسنے لگا۔ لیکن میری

تقریر کیا تھی؟ ایک بولتا جادو تھا۔ کیا مجال جلسے سے ایک آدمی بھی سرکتے پایا ہو۔ اگر کل کی شکم پری سے معدہ خراب نہ ہوتا اور گلا بھی صاف ہوتا تو فصاحت و بلاغت کے وہ دریا بہاتا کہ ملت کی تاریخ میں میری تقریر ایک شاہکار ثابت ہوتی۔ تاہم جلسہ بخیر و خوبی برخواست ہوا۔ اور میں اپنے رفقا سمیت ضلع مجلس کے صدر دفتر میں پہنچا۔ وہاں گلے سے پھولوں کے ہار اتارے، جو اتنی تعداد میں پہنائے گئے تھے کہ میرے گلے کا ہار ہو گئے تھے۔ ابھی جائے قیام پر آ کر بیٹھا بھی نہ تھا کہ ڈپٹی کمشنر کی طرف سے دعوتی رقعہ موصول ہوا۔ دورہ میں میزبانوں کے ذوق سلیم کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ چند دنوں سے ان میزبانوں سے پالا پڑ رہا۔ جو شراب کو "ام الخبائث" سمجھنے والوں میں سے معلوم ہوتے تھے۔ پینے کو بہت جی چاہتا تھا۔ چنانچہ آج خدا نے دل کی مراد پوری کر دی ہے اور آج ایک ایسے شخص کا مہمان ہوں جس نے میرے لئے خاص طور پر بہترین وسکی منگا رکھی ہے۔ چنانچہ لال پری کے دیدار ہوئے ہیں تو طبیعت ذرا سنبھلی ہے۔ جوانی تو بڑی تمکنت سے بسر کی تھی۔ جب پی پلا کر جھومتے جھامتے بازار حسن کا رخ کرتے تھے۔ تو دنیا رشک بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ عورتیں للچائی ہوئی نظروں سے استقبال کرتی تھیں۔ اب خیر سے لیڈر بن گئے ہیں۔ اگر اب ایسے کام چوری چھپے

نہ کیے جائیں تو لیڈری کا کاروبار کیوں کر چلے؟ اب تو ہر بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ پچھلے ہفتہ آدھی رات کو بازار حسن میں گئے بھی تو بڑی مشکل سے آنکھیں بچا بچا کر حمیدہ بائی کے بالاخانہ پر چڑھے۔ چند ہی سیڑھیاں طے کرنا پڑی تھیں مگر سانس پھول گئی۔ ابھی چند روز ہی کی بات ہے کہ میرے ایک بچپن کے ہمجولی مصر تھے کہ پکچر دیکھنے جائیں۔ جی تو اپنا بھی بہت چاہتا تھا مگر اپنے مرتبے کا پاس کر کے خاموش ہو بیٹھے۔

کل کے اخبارات میں میرا فوٹو چھپے گا۔ اور اجلاس امروزہ کی کارروائی بھی۔ جب میں تقریر کر رہا تھا تو اسٹیج کے پاس بیٹھے ہوئے فوٹو گرافر کو کن انکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا۔ جب وہ اٹھا۔ تو میں بصد حزم و احتیاط اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر ایک مشاق ایکٹر کی طرح ایکٹ کرنے لگا۔ اور میرے پیچھے بیٹھے ہوئے اصحاب اسٹیج کے سامنے اٹھ آئے تاکہ میرے ساتھ فوٹو میں شامل ہونے کا فخر حاصل کریں۔

۲۶ر اکتوبر

انسان کا دل کیا ہے؟ سراپا تمنا، مجسم آرزو، مر گئے پر بھی آرزوں کا ساتھ، خاک ہوئے پر بھی تمناؤں کی رفاقت۔

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا مجھ کو

کبھی ریحان شباب میں لیڈروں کی دھواں دھار تقریریں سن لی تھیں بس وہیں سے وکالت چھوڑ چھاڑ کر لیڈری کا شوق جو چرایا تو آج لیڈری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے پورے چھ سال ہونے ہیں۔ اس دوران میں میری زندگی نے کئی پلٹے کھائے ہیں۔ نے زندگی کی ناؤ بحر حوادث میں ہواؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی میرا کاروانِ حیات سرگشتۂ صحرائے وہم و گمان ہو کر رہ گیا۔ کبھی کانگریسی تھا، پھر خاکسار بنا، پھر احراری اس کے بعد مسلم لیگ میں شریک ہوا، اور آج ...... ہوں۔ نہ جانے تقدیر کل کہاں لے جائے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے، قوم کی طرف سے مجھے "بے پیندے کا لوٹا" خطاب ملا تھا، اخبارات میری اس ڈانواں ڈول پالیسی کو گرگٹ سے مشابہ قرار دیتے تھے جس جلسہ میں میری تقریر ہوتی تھی اس میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

میں نے اپنی اس قیادت کے اس مختصر وقفۂ عمر میں کئی قلابازیاں کھائیں

اور بیسیوں شاطرانہ چالیں چلیں۔ میں نے سینکڑوں مرتبہ لوگوں کے ہجوم پر گولی چلتی دیکھی اور ہزاروں دفعہ پولیس کو لاٹھی چارج کرتے پایا چند دنوں کا ذکر ہے ملک کی ایک بڑی تحریک کے ہائی کمان کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا تھا جس میں دو ہزار ماہانہ کے لالچ کے ساتھ اپنے ساتھ شرکت کا پیغام دیا گیا تھا۔ لیکن اب مجھے کسی نئی تحریک میں شریک ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سونے چاندی میں کھیل تو رہا ہوں۔

جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

شکسپیر کے جولیس سیزر میں بروٹس کی تقریر نے جس مجمع کو اپنا ہمخیال بنایا تھا وہی مجمع انیٹنی کی تقریر سے اول الذکر کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔ لوگوں کی آرا مقرر کی فن کاری سے وابستہ ہیں۔ گویا وہ نسیان کے مریض ہوتے ہیں اگر ان کے حافظے اس قدر کمزور نہ ہوتے تو مجھے آج کھویا ہوا اقتدار دوبارہ کیوں کر حاصل ہو جاتا؟

آہ اس دنیا میں اپنی ساکھ قائم کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن اور قسم قسم کے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ مجھے وہ رات زندگی بھر نہ بھولے گی جو بدہضمی کے باعث بستر پر پہلو بدلتے کٹی تھی اور میرا "بستر بادہ بستر" خالی بستر ہو رہا تھا چانک نہر ان میرے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اور میں نے اس شب بیداری کو قوم کی دردمندی کا بہانہ بنا لیا تھا۔ جس سے اس پر

میرے خلوص کا سکہ بیٹھ گیا تھا اور اگلے روز ہی ملک کے مؤقر جرائد میں اس واقعہ پر خوب خوب حاشیہ آرائیاں ہوئی تھیں اور لوگ پہلے سے بھی زیادہ میرے معتقد ہوگئے ہیں۔ اخبارات نے مجھے "لیڈر اعظم" کا خطاب بخشا ہے۔ لیکن جب میری نظر سے یہ ادب پارہ گذرا تو کچھ دیر ندامت کے مارے سر بگریبان رہا۔ لیکن اسی لمحہ تمام تر احساس دل سے مٹ گیا۔ ضمیر کی یہ ملامت کوئی نئی بات نہیں۔

آج سارا دن عقیدت کیشوں کا تانتا بندھا رہا۔ طبیعت کی ناسازی میرے کام آئی ہے۔ ڈاکٹروں نے زیادہ بولنے کی ممانعت کر رکھی ہے آج سینکڑوں ملاقاتی مشرف بہ نیاز ہونے کے لئے آئے اور اپنا سا منہ لئے اُلٹے پاؤں لوٹے۔ بیبیوں کو صرف مصافحہ کرنے کی اجازت دی گئی البتہ اخبارات کے نامہ نگار اور نمائندے گھنٹوں مصروفِ گفتگو رہے ان کی خاطر داری میں کیا عذر ہو سکتا ہے!۔ یہی لوگ تو لیڈر کو آسمانِ شہرت پر پہونچاتے ہیں۔ طبیعت کی علالت کی بنا پر دورہ ملتوی کر دیا گیا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لیڈری کے دورے ہفتوں نہیں پڑتے۔ آج کے اخبارات میں اپنا فوٹو دیکھا اور دل باغ باغ ہوگیا۔

افتخار کی امی کا خط آیا ہے جس میں وہی اپنے گھر بار کا رونا رویا گیا ہے۔ اسے لاکھ سمجھایا گیا ہے کہ کسی غریب الوطن کو ستانا اچھا نہیں۔ بڑی

بڑے اکابر گذرے ہیں۔ جنہوں نے اپنا گھر بار پھونک کر اپنا نام روشن
کیا ہے لیکن میں تو ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق اپنے ہاتھ دھن دولت
سے بھی رنگ رہا ہوں اور قوم کی کشتی کا ناخدا بھی بنا بیٹھا ہوں۔

ایں سعادت بزور ......

میں نے اُسے لکھا ہے کہ ذرا صبر و تحمل سے کام لو۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِین
لیکن وہ کچھ ایسی اُلٹی کھوپڑی کی واقع ہوئی ہے کہ کسی کی اَن سنی کر دیتی ہے
چنانچہ سب خطوں کے جواب کے ساتھ اُسے بھی خط لکھا گیا۔

۲۷ ر اکتوبر

صبحدم حاجات ضروریہ سے فارغ ہوا۔ تو پرتکلف ناشتہ کرنے کے بعد اخباروں کے مطالعہ میں منہمک ہوگیا۔ یہ ملک و قوم کے ترجمان لیڈری کی دکان چمکانے کے کارگر حربے ہیں خدا ان کے مدیران کو سلامت رکھے۔ جن کے بل پر میری یہ ساری گرمی بازار ہے۔ لگاتار دو روز سے تقریر نہیں کی۔ اب تو تقریر کرنے کی عادت سی ہوگئی ہے دل ہر گھڑی ہجوم خیالات سے بے قرار ہو اٹھتا ہے۔ تقریروں کے ایسے ایسے زریں جملے سوجھ رہے ہیں کہ اگر انھیں کسی جلسہ میں بیان کر دیا جائے تو سامعین پر وجد کا سا عالم طاری ہو جائے۔

پچھلے مہینے کا تاریخی اجلاس آج رنگ لایا ہے یعنی میں نے اپنی آتشین تقریروں سے جو چنگاری شہر کے خرمن امن میں پھینکی تھی وہ آج شعلہ جوالہ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ فساد کی آگ کے فلک بوس شعلوں نے آناً فاناً میں تمام شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اخبارات کی اطلاعات مظہر ہیں کہ فریقین لاٹھیوں کے آزادانہ استعمال پر اتر آئے تھے۔ پولیس پر بھی معمولی خشت باری کی گئی ہے اور اسے متاہرین کے بپھرے ہجوم پر گولی چلا دینا پڑی ہے جس کے نتیجہ میں جانبین کے بیس ہلاک اور تیس آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ فساد کے خاطر

خواہ نتائج سے سرکارِ عالی تبار کی نظروں میں میری وقعت بڑھ گئی ہے اور اب

ہفت آسماں بھی ہیچ ہیں میری نگاہ میں

اگر حکومت ہم لیڈروں کی پرواہ نہ کرے۔ تو کیا مجال یہ ہمارے بدیشی آقا ایک دن بھی حکمرانی کر سکیں؟۔ میں نے تین دفعہ جیل کی ہوا کھائی ہے حال ہی میں "غیبی اشارہ" ہوا ہے کہ "مجھے اگلے سال چند ماہ کے لیے ایک بار پھر جیل یاترا کے لیے تیار رہنا چاہیئے" کیونکہ حکومت کے خیال میں ابھی میری لیڈری کا پوری طرح سکہ نہیں بیٹھا۔ بلاشبہ صرف جیل ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے لیڈری کی سند ملتی ہے۔ باہر تو پھر کتنے دھندے کرنا پڑتے ہیں تو جب جا کر کچھ ساکھ قائم رہتی ہے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ گلا پھاڑنے سے چندہ حاصل ہوتا ہے۔ تو اس میں بھی کئی حصہ دار ہوتے ہیں۔ جیل میں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھیں گے۔ آخر ہمیں یہ سودا کب مہنگا پڑا ہے؟

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے گھبرائیں کیا

چنانچہ ہم جیل میں سرکار ذی وقار کے عزیز مہمان ہوں گے۔ حکومت گھر بار کے جملہ اخراجات کی کفالت کرے گی۔ اور باہر لوگ ہماری قربانیوں کی مدح سرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیں گے۔ سب سے بڑھ کر اخبارات کے ایڈیٹر ہماری ذات بابرکات پر آرٹیکل اور نوٹ لکھ کر اپنے

قلم کی جولانیاں دکھائیں گے۔ عوام ہماری بے وقت گرفتاری کو ملت کے لئے سانحۂ عظیم قرار دیں گے۔ اور جب ہم آب و ہوا کی اس تبدیلی کے بعد رہا ہوں گے تو ہمارا کئی میل لمبا جلوس نکالا جائے گا۔ آگے آگے میرا موٹر ہو گا۔ پیچھے بینڈ بج رہا ہو گا اور اس کے بعد لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحرِ ناپیدا کنار۔ فضا زندہ باد کے پرجوش نعروں سے گونج رہی ہو گی۔

آج طبیعت کی خرابی سے کوئی جلسہ منعقد نہ ہوا۔ اور دن نہایت بے مزہ گذرا۔ ۲۸ کو کالج کے طلبا ایک میٹنگ منعقد کر رہے ہیں چنانچہ مجھے کل بارہ بجے جلسہ کی صدارت کرنا ہے۔ پرسوں سے وسکی کا استعمال برابر جاری ہے۔ سرِ شام دو چار پیگ پیئے تھے لیکن بسیار خوری کی بنا پر قے ہو گئی۔ تاہم دل و دماغ پر ہلکا ہلکا سرور طاری ہے۔

۲۸ اکتوبر

صبح آنکھ دیر سے کھلی۔ تقریباً دس بجے بستر سے اُٹھا۔ گیارہ بجے غسل وغیرہ سے فارغ ہوا۔ بیرہ ناشتہ لایا۔ اتنے میں میزبان بھی تشریف لے آئے خود اٹھ کر میرے ہاتھ دھلانے کی سعادت حاصل کی۔ ناشتہ آدھے اُبلے ہوئے انڈوں، ٹوسٹ، بہترین پیسٹری، فروٹ اور چائے پر مشتمل تھا ناشتہ سے فارغ ہو جانے کے بعد کالج کو راہی ہوا۔ میرا موٹر کوئی ساڑھے بارہ بجے کالج کے مزین گیٹ میں داخل ہوا۔ ہزاروں طلبا دولت دیدار حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ نعرے سن سُن کر اب تو کان بھی پک گئے ہیں۔ حسب دستور زندہ باد کے آسمان شگاف نعروں کے درمیان میرا سواگت کیا گیا اور طلبا کی دو رویہ قطاروں سے گذر کر کالج کے وسیع ہال میں لے جایا گیا۔ اور صدارت کی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ ہال مسرت افروز تالیوں سے گونج اُٹھا۔ پہلے حسب معمول قرآن شریف کی تلاوت کی گئی۔ پھر چند قومی شاعروں کو اسٹیج پر بلایا گیا ازاں بعد میں تقریر کے لئے اُٹھا۔ ہال ایک بار پھر تالیوں اور زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگا۔ میری تقریر کے لئے "امپیریلزم" موضوع مقرر کیا گیا تھا۔ اور یہ بڑی ٹیڑھی کھیر تھی میرے لئے۔ لمحہ بھر کشمکش و پیچ میں مبتلا رہنے کے بعد تقریر خدا کا نام لے کر شروع کر دی گئی۔ سب جانتے

ہیں کہ "امپریلیزم" اسلام کے منافی ہے۔ اور کس طرح موجودہ امپریلیزم نے ملت بیضا کو پابہ زنجیر کر رکھا ہے ؟

سامعین میں اکثریت طلبا کی تھی۔ انہیں الٹی سیدھی چند باتیں سنا کر پرچا لینا ناممکن کام تھا۔ میں ایک پرانا گھاگ سہی۔ اور اپنے پٹارے سے وہ چیزیں نکالتا ہوں جو تماشائیوں کو محوِ حیرت کر دیں۔ لیکن بعض موقعوں پر میرے بھی پسینے چھوٹ جاتے ہیں اور ساری شیخی کرکری ہو جاتی ہے۔ ادھر لوگ واقف کہ برطانوی امپریلیزم نے سارے مشرق کو محکومی کی فولادی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اور یہ سفید سامراج اپنے انسانیت کش نظام سے آزادی پر ڈاکے ڈال رہا ہے اور ادھر میں سرکار کے نمک خواران ازلی میں سے ایک جو بخدا ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ سرکار عالی تبار کو بفضیب دشمناں ہاتھ یا زبان سے کوئی ذرّہ بھر بھی گزند پہونچے۔ چنانچہ کچھ ایسی فریب کاری سے کام لیا گیا کہ خدا نے اپنی لیڈری کی للج رکھ لی اور سرکار عالی تبار کی جبینِ ناز پر بھی کوئی ہلکی سی شکن پڑنے نہ پائی۔ جب تقریر ختم ہوئی تو میں نے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کے لیئے مجمع پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ معلوم ہوا کہ سامعین ابھی تک مبہوت سے تھے۔ ازاں بعد کل کے خونریز فساد میں ہلاک ہونے والے شہداء کے پسماندگان سے ہمدردی کی اور فساد کے بانیوں پر

غم وغصہ کے اظہار کی قرار دادیں پیش کی گئیں جو بالاتفاق پاس ہوئیں۔ اس کے بعد کالج کے نازک اندام اور دل آرام لڑکے اور لڑکیوں نے شان محبوبی کے ساتھ سٹیج پر ہلہ بول دیا اور اپنی اپنی کاپیاں دستخطوں کے لئے میرے سامنے پیش کر دیں۔ چنانچہ سب کو اپنے دستخطوں سے سرفراز کیا گیا۔

جلسہ بخیر و بخوبی برخواست ہوا۔ تو عمائدین شہر کی طرف سے میرے اعزاز میں ایک شاندار ٹی پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ جس کے لئے گرانڈ ہوٹل منتخب کیا گیا تھا۔ آج کا پروگرام گذشتہ دو ایک دنوں سے خاصا رہا ہے۔ ؎

فیضی حسنت از ین عشق کہ دوراں امروز
گرم دارد ز تو ہنگامہ رسوائی را

۲۹ر اکتوبر

گذرگاہوں، گلی کوچوں، اور بازاروں میں لہو میں شرابور لاشوں کا ہولناک رقص، گولیوں کی دناد ن کی خوفناک آوازیں، گھر گھر سے چیخ پکار کی کرب انگیز صدائیں، فضائے آسمانی پر طیاروں کی دلدوز پرواز، ہوا میں آگ کی آمیزش، افلاس..... بھوک...... قحط...... دبائیں...... اور کبھی آن کی آن میں ملک کے گوشے گوشے سے "انقلاب زندہ باد" کے آسمان شکن نعرے...... مدتوں کے خوابیدہ مقہور غلاموں کا شیروں کی طرح انگڑائی لے کر بیدار ہو جانا...... سرکاری عمارات پر قومی جھنڈے کا لہرانا...... استعمار پرستی کے خلاف خونچکاں مظاہرے...... اور کبھی ہزاروں بدیشی مسافروں کا بوریا بستر اٹھائے بمبئی کی بندرگاہ پر جہازوں میں سوار ہونا...... کل رات کچھ ایسے مہیب خواب دیکھے ہیں کہ آج سارا دن طبیعت اداس رہی ہے۔ آج کل انتہا پسندوں کی جماعت نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اور روز بروز بر سر اقتدار آ رہی ہے۔ مزدوروں کے جسم میں آزادی کے زہریلے جراثیم سرایت کر چکے ہیں۔ وہ مزدور اور کسان جو کل تک نرے مٹی کے مادھو سمجھے جاتے تھے۔ آج انقلاب کے سرگرم داعی بنے بیٹھے ہیں اور جا بجا اپنے آتشیں اجلاس منعقد کر کے ملک کی فضا کو مکدر کر رہے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ خفیہ طور پر بم بھی طیار کر رہے ہیں۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا ایک مزدور اسمبلی ہال پر بم پھینکتا ہوا پکڑا گیا ہے اور ہز ایکسی لینسی بال بال بچ گئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے یہی لیل و نہار رہے تو اپنی لیڈری بھی خطرے میں دکھائی دیتی ہے اور سرکار عالی تبار کو بھی خدانخواستہ کوئی روز بد دیکھنا نصیب ہوگا۔ خدا کرے کہ میرا خواب قیامت تک شرمندۂ تعبیر رہے۔ اور ہمارے سرکار عالی تبار کا سایہ رہتی دنیا تک ہمارے سروں پر مسلط رہے۔

آج حزب مخالف کے ایڈیٹروں نے خوب خوب داد صحافت دی ہو کالم کے کالم مجھ پر ذاتی حملوں، میری مے نوشی کے سربستہ رازوں، میری حسن پرستی کے رنگین افسانوں، گذشتہ مست بھری راتوں کے رومانی قصوں اور میری لامذہبیت کے طویل واقعوں سے کالے کئے گئے ہیں۔ اور اپنی ذہنی دریدہ دہنی کا پورا پورا ثبوت دیا گیا ہے۔ وہ کچھٹا اچھالا گیا ہے کہ توبہ ہی بھلی لیکن مجھے رنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی وہ ہما ہی ہے جس سے کسی لیڈر کی شہرت وابستہ ہے۔ جس پر میں جان دیتا چلا آیا ہوں۔ کل میری جماعت کے اخبارات ان سب الزامات کو بے بنیاد قرار دیں گے اور اپنی صحافت کے وہ وہ نادر نمونے دکھائیں گے کہ میری لیڈری کا دامن بدستور بے داغ رہ جائے گا۔

آج بیسیوں رؤسا شہر نے دعوتِ طعام کے لئے پیغام بھیجے۔
لیکن سب کو میری علالت کی وجہ سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑا۔

۳۰ر اکتوبر

صبح کے اشغال ضروریہ سے پوری طرح فارغ نہ ہوا تھا کہ چند حضرات کی آمد کی اطلاع دی گئی چنانچہ ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ دیر تک گرما گرم مباحثہ رہا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے پہلو میں ایک سیماب وار دل رکھتے ہیں۔ جو قوم کی حالت پر خون خون ہو رہا ہے۔ انھوں نے قوم و وطن کے لیئے اپنی پُر خلوص خدمات پیش کیں اور حلفاً کہا کہ "ہم ہر قسم کی قربانیاں کرنے سے دریغ نہیں کرینگے۔ حتیٰ کہ ہم ہر وقت اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے ہیں"۔ ان کی باتوں سے حقیقتاً بوئے خلوص آتی تھی اور ان کی آنکھوں سے ایک مجاہدانہ شجاعت جھلکتی ہے۔ ان کی کشادہ پیشانیاں ملک کے پر عظمت مستقبل کی لوح محفوظ ہیں۔ وہ حد درجہ انتہا پسند واقع ہوئے ہیں اس لیئے میری لیڈرشپ کی بھی پرواکرنے والے دکھائی نہیں دیتے میں ان کی قیامت آفریں تمناؤں میں ایک آنے والی صبح انقلاب کی تجلیاں پاتا ہوں، اور ان کے خطرناک ولولوں کے سامنے قصر حکومت کو متزلزل دیکھتا ہوں۔ کمبخت حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش لے کر آئے تھے میرے پاس۔ مگر میں نے سرکار عالی تبار کو ان کے خوفناک ارادوں سے آگاہ کر دیا ہے اور وہ حکومت کا تختہ الٹنے والے اسی طرح ٹھکانے لگا دیئے جائیں گے۔ جس طرح ان جیسے بیسیوں پہلے لگائے جاچکے ہیں سکتے

ہی میرے رفقاء کار تھے جو اپنی "بدنیتی" کے باعث کالے پانی کی ہوا کھا رہے ہیں۔

آج انتہا پسندوں کی طرف سے ایک وفد حضور والا شمرالے بہادر کی خدمت میں باریاب ہوا ہے اور اُس نے مکمل آزادی کا فرسودہ مطالبہ پیش کیا ہے۔ حضور نے کیا لاطائل جواب دیا ہے۔

"پہلے آپس میں اتفاق کرو"

۳۱ر اکتوبر

آخر مدیرانِ جرائد کا اپنے قارئین سے میری شفایابی کے لئے درخواست کرنا اور ان کا دعائیں کرنا بار آور ثابت ہوا چنانچہ آج طبیعت بشاش اور مسرور ہے۔

بدقسمتی سے میزبان کے ہاں دو چار مولوی صاحبان آئے ہوئے ہیں اس لئے آج خلافِ معمول بستر سے علی الصبح اٹھنا پڑا۔ جب وہ مولوی صاحبان باوضو ہو کر میرے کمرے میں تشریف لائے تو میں ہمراہ ہو لیا اور بنگلہ ہی کی چھوٹی سی مسجد میں نمازِ فجر ادا کی گئی۔

لیڈر ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا جو اس مقولہ پر کاربند ہوتے ہیں "جس طرح گناہ لوگوں سے چھپ کر کئے جاتے ہیں اسی طرح عبادت بھی چھپ کر ہی کرنا چاہیئے" بلکہ لیڈر تو راہ چلتے بھی اپنی لیڈری کے وقار کا احساس رکھتا ہے کہ دنیا کی نظریں اس پر پڑ رہی ہیں، وہ ہر لحظہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اس لئے کوئی کام چھپ چھپا کر کر ہی نہیں سکتا۔ صبح کے معمولات سے فارغ ہوا تھا کہ چند عقیدتمندوں کی آمد کی اطلاع پہونچائی گئی اگرچہ میں اسوقت بھی بالکل فارغ تھا۔ اور ان سے مل سکتا تھا۔ لیکن یہ بات اپنی "لیڈرانہ" وضعداری کے خلاف سمجھی گئی اور نوکر سے کہوا بھیجا کہ "انتظار فرمایئے" ہماری ملاقات کوئی بچوں کا کھیل تھوڑا ہی ہے؟ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد انہیں اندر آنے کا جانفزا مژدہ

سُنا یا گیا۔ اور خود نہایت تمکنت سے بیٹھ گیا۔ ملاقاتیوں میں ایک رئیس اعظم تھا اور باقی حضرات کوئی معزز عہدہ دار معلوم ہوتے تھے۔ دیر تک سیاسیات حاضرہ کے موضوع پر تبادلۂ افکار جاری رہا۔ از ان بعد میں ایک ٹی پارٹی پر چلا گیا۔ وہاں سے لوٹ کر کوئی چار بجے شام ایک جلسہ کی صدارت کی۔ اور اب دس بجے سے وسکی پی رہا ہوں۔ اس وقت رات کے گیارہ بجنے کو ہیں۔ چنانچہ آج کا روزنامچہ بھی عالم سرمستی میں لکھا جا رہا ہے اغلب ہے کہ اس بے خودی میں کوئی قابل ذکر واقعہ قلم انداز ہو گیا ہو

حدیث مے و مطرب گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

یکم نومبر

آج کا تمام دن میرے لئے روزِ عید سے کچھ کم نہ تھا... گراؤنڈ میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں میری تقریر نہایت نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اگرچہ تقریر کے دوران میں حزبِ مخالف کے رضاکاروں نے جلسے میں گڑبڑ پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن بہت جلد میرے سرفروش والنٹیروں کے حسنِ انتظام سے فضا مکدر ہونے سے محفوظ ہو گئی۔ فتنہ پرداز رضاکاروں کے مردہ باد کے نعرے ہنوز میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے ہیں۔ ملک کا روشن خیال طبقہ مجھے ٹوڈی اور حکومت کا وظیفہ خوار سمجھتا ہے۔ چنانچہ اگلے روز میں... ہوٹل سے فارغ ہو کر اپنی جائے قیام کو لوٹ رہا تھا کہ راہ میں چند سرپھرے نوجوانوں نے آوازے کسے۔ وہ گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ کہ مادرِ وطن کو خون دینے والے سودائیوں کی ضرورت ہے۔ نہ کہ تمہارے جیسے دودھ پینے والے مجنوؤں کی۔ مجھ پر پتھر بھی پھینکے گئے۔ مگر میں اپنے موٹر پر سوار ہو کر ان حرکاتِ طفلانہ پر ہنستا ہوا ان کی نظروں سے غائب ہو گیا اور وہ دانت پیستے رہ گئے۔ ہرچند کہ اب مجھے ایسی باتوں کا زیادہ رنج نہیں ہوتا اور میں اس طرزِ تپاک کو ایک خندۂ بے پروائی کے ساتھ برداشت کرنے کا عادی سا ہو گیا ہوں۔ تاہم مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ کہ مبادا میرے اپنے رفقا پر کوئی راز کھل جائے۔

عرصہ سے آس لگائے ہوئے ہوں کہ ملک میں کوئی مسجد وغیرہ کا تصفیہ اٹھے تاکہ لیڈری کی ساکھ کو برقرار رکھتے ہوئے قوم کے چندوں سے کوئی عمارت کھڑی

کرجاؤں۔ تاکہ میرے بعد میری اولاد تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے مزے سے کھاتی رہے چنانچہ بلا ناغہ اخبارات کا مطالعہ کرتا ہوں لیکن میری چشم متجسس کسی ہنگامہ آفریں سرخی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے پتھرا سی گئی ہے کاش کہ کسی جلسہ میں فرزندان ملت ایک دو لاکھ کی تھیلی ہی نذر کردیں۔

۲ر نومبر

کل دن بھر طبیعت پر اضمحلال کا سا عالم طاری رہا۔ عناصر پر بے طرح
بے اعتدالی کی سی کیفیت چھائی رہی اور ضمیر نے گھڑی بھر بھی تو چین سے
بیٹھنے نہ دیا۔ مگر میں نے معمول کے مطابق ان اذیّت کوش کیفیات کو
وسکی کے چند جرعوں میں غرق کر دیا۔ اور اپنی زندگی کی ناؤ بدستور مئے لالہ فام
کی گل رنگ لہروں پر کھیتا ہوا احساس کے خوفناک گردابوں کو عبور کر گیا
آج کا اجلاس کتنا کامیاب رہا ہے؟ وہ حاضرین جلسہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا
سمندر، تا حدِّ نظر انسانی سروں کی بوقلمونیاں اور پنڈال کا آسمان شگاف
نعروں سے گونج اُٹھنا میری تقریر کا ایک ایک جملہ کتنا تاثّر انگیز تھا؟
فضا میری سحر کاریوں سے مسحور تھی، کائنات کے ذرّے ذرّے پر سکوت
وخاموشی کی مہر لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور تماشائیوں کے دل ودماغ
رنگ و بو کے سراب میں گم نظر آتے تھے۔ جلسہ میں بے شمار فضلاء، ادباء
اور شعرا ہوتے ہیں، مگر جس وقت میں مائیکروفون کے سامنے آتا ہوں
تو یہ سب لوگ میری نظر میں بے وقوف ہوتے ہیں۔ میرے الفاظ کی
جادوگری کا سیلِ بے کراں ان کی فضیلتوں، اور [illegible] اور شعریتوں کو خس وخاشاک
کی مانند بہائے جاتا ہے۔ یہ میری خوش بیانیوں ہی کا ایک ادنیٰ سا اعجاز
ہے کہ میری تقریریں اسمبلی چیمبر کو لرزہ براندام کر دیتی ہیں۔ اور حزب مخالف

کو میرے لاطائل نکات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا پڑتے ہیں۔ کیا بازار سیاست کی تمام تر گرم بازاریاں میری ہی ذات سے ؛ البتہ نہیں؟

آج حزب مخالفت کے ڈپٹی لیڈر، اسمبلی کے اسپیکر اور ایک ممبر کے ساتھ شہر کے فساد زدہ رقبہ کا دورہ کیا۔ رقص بسمل کا تماشا دیکھا۔ خاک و خون میں لوٹتی ہوئی پُرشباب آرزوؤں کے جنازے نظر آئے۔ رہگذاروں گلیوں، اور سڑکوں پر لہو کی آبشاروں۔ آتش زدہ عمارتوں کی ویرانیوں کا مشاہدہ کیا۔ درو دیوار پر اُداسیاں سی مسلط تھیں۔ شہر میں کئی ہفتوں سے کرفیو نافذ ہے اور ہم نے اسی دوران میں ان خونیں لغاروں کا معائنہ کیا۔ مختصر سے دورہ کے بعد مل کر چائے نوشی کی۔ لطیفے اور چٹکلے چھیڑے گئے ہنسی مذاق کی دلفریب گفتگوئیں جاری رہیں اور بلند بانگ قہقہوں سے کمرہ گونج گونج اٹھا۔ اقلیت واکثریت، دو قوموں کی تھیوری اور مذاہب حقوق کے خشک مسائل میں سے ایک کو بھی بحث کے لیئے درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔

آج شہر میں چھرا گھونپنے کی کئی وارداتیں ہوئیں۔ آگ لگائی گئی۔ کئی مقامات پر دھماکے سے پھٹنے والے بموں کا استعمال کیا گیا۔ مختلف جگہوں پر فریقین نے ایک دوسرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ملک بھر میں خوفزدہ اقلیتیں اپنی اکثریت والے علاقوں کو جا رہی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اپنے فرائض مفوّضہ کو بطرز احسن سرانجام دیا ہے۔

۱۳ نومبر

آج دن بھر ماضی کے تمام رنگین مناظر متحرک فلم کی طرح آنکھوں میں پھرتے رہے اور عنفوان شباب کا ایک ایک واقعہ رہ رہ کر تصور کے خاکوں میں رعنائیوں کا رنگ بھرتا رہا۔ کئی برس بیتے میں اپنے رفقاء کے ساتھ حمیدہ بائی کے بالاخانہ پر گیا تھا۔ اُن رفقاء میں اب بہت سے سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ اور انھیں اپنے حلقہ بگوش ہو جانے پر سو ناز ہیں۔ مگر میرے مقابلہ میں ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ کہاں ایک باوقار لیڈر، اسمبلی کا ایک معزز رکن اور گیسوئے لیلائے وزارت کا شیدائی، اور کہاں وہ مشین کے زنگ آلود پرزے جو انجام کار گھس کر رہ جائیں گے۔ ملک میں کتنے ہی نوجوان ہیں جو میٹرک پاس کرنے کے بعد

کر کلرکی کھا ڈبل روٹی۔ خوشی سے پھول جا

کے مصداق کسی دفتر کا کلرک کہلانا باعث افتخار خیال کرتے ہیں اور کتنے ہی گریجویٹ ہیں۔ جن کے طائر تخیل کی پرواز ملے دے کر کسی آفس میں جا کر دم توڑ دیتی ہے۔ جن کا ذہن فائلوں کی گرانباری برداشت کرنے کا خوگر ہو چکا ہے۔ جو ملکی سیاسیات میں دلچسپی رکھتے ہیں نہ انھیں "آزادی" اور "غلامی" کی اصطلاحوں کا مفہوم سمجھنے کی فرصت نصیب ہوتی ہے۔ وہ والدین کا ہزاروں روپیہ اپنی تعلیم پر پانی کی طرح بہا دینے کے بعد "نوکر" ہو جانے کو غالباً سعادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ مگر مجھے ان کی غمگساری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر وہ مزدور ہوتے یا اَن پڑھ ہوتے تو یقیناً

کسی تشدد پسند سیاسی جماعت سے منسلک ہوتے یہ تعلیم تو بالخصوص میرے اور بالعموم میری جماعت کے حق میں نہایت مفید ٹھہری جس نے ہمارے نوجوانوں کو نازک اندام بنادیا ہے اور ان کے ذہنوں سے ذوق بیداری چھین لیا ہے۔ جن کی نازک نازک کلائیاں اور کمزور نحیف بازو اس امر کی غمازی کرنے کے لیئے کافی ہیں، کہ وہ انقلاب کے لیئے پیدا نہیں کئے گئے۔" اسی تعلیم کے متعلق اقبال نے کہا ہے۔

یا آں علم و فراست با پرکا ہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

مگر میں یہ کیا ذکر چھیڑ بیٹھا۔

انکار مے کشی نے مجھے کیا فرہ دیا
سینہ پہ چڑھ کے اپنے خم مسلا دیا

کیا نور کا سا گلا پایا ہے اس نے؟ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میری آنکھوں میں زمانہ بھر کے مے خانے بسے ہوئے ہیں آہ یاد مسرت لطف مسرت کے مقابلہ میں کتنی دلپذیر ہوتی ہے

اس توبہ پہ ہے ناز تجھے زاہد اس قدر
جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

انسان کا کسی ایک عالم میں رہنا دشوار ہے، کبھی اس پر اندوہ کی کیفیت

طاری ہوتی ہے تو کبھی وہ اجابت کے جذبے کھکھلا اُٹھتا ہے کبھی چاہتا ہے
کہ ہمیشہ کی زبان قینچی کی طرح چلتی رہے۔ تو کبھی وہ گہرے سکوت میں ڈوب
جانا چاہتا ہے۔

مگر یہ لوگ بھی کیا آفت ہیں؟ کہ ہر پانچ منٹ کے بعد فون کیا
جا رہا ہے "اس وقت فلاں محلہ نذر آتش ہے" "فلاں عمارت شعلوں
کی لپیٹ میں ہے" "اب تک اتنے آدمی مجروح یا ہلاک ہو چکے ہیں"
غرض فرقہ وارانہ فسادات کے ہولناک نتائج کی خبریں پہنچائی
جا رہی ہیں۔ کبھی تو اس صورتِ حالات کو دور کرنے کا علاج پوچھا جا رہا ہے،
اور کبھی دفاعی تدابیر زیرِ بحث لائی جا رہی ہیں۔ کمبخت اتنا نہیں سمجھتے کہ یہی
وہ رنگین مشغلے ہیں جن سے کسی لیڈر کی شخصیت قائم ہوتی ہے مگر وہ کیوں کر
جانیں کہ فرقہ وارانہ فسادات کی یہ ساری دلفریبیاں میری ہی قیادت
سے وابستہ ہیں۔ ہم لوگ سوا اس کے اور کیا کر سکتے ہیں کہ کبھی کار پر
سوار ہو کر گورنر سے ملاقات کا شرف حاصل کر آئے۔ اِدھر اُدھر کی
خوش گپیوں سے دلفریبی کا سامان پیدا ہو گیا۔ اور لوگوں نے
سمجھا کہ ہمارے دلوں میں قوم کا درد چٹکیاں لے رہا ہے۔ ہم نہایت
فرض شناس واقع ہوئے ہیں۔ اور ہم ملت کے خیال سے لمحہ بھر بھی
تغافل نہیں برت سکتے۔

چنانچہ آج پناہ گزینوں کے کیمپ کا ملاحظہ کیا گیا، گوناگوں ہدایات سے مستفیض کیا گیا۔ رضا کاروں کے حسنِ انتظام کی داد دی گئی۔ اور مصیبت زدگان سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ اخبارات کے ضمیموں میں یہ خبر جلی عنوان سے چھاپی گئی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اب یہ سرگرمیاں میری زندگی کا ایک مرغوب مشغلہ بن چکی ہیں اور لاینفک جزو ہو گئی ہیں۔

اس وقت رات کے کوئی بارہ بجے ہیں، ریڈیو کے ہیجان اُٹھانے والے نغمات سے دل بہلانے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ کوئی شمعِ شبستان بنے، میری سکوت آفرین خلوتوں کو لبھائے۔ پہلو کو گرمائے۔ کبھی میرے شعلہ افروز جذبات جوانی کو اپنے دامنِ جمال سے ہوا دے اور کبھی میرے دل کی سلگتی ہوئی میٹھی میٹھی آگ کو لطف وصال کے چھینٹوں سے بجھائے۔ یہ عالم تنہائی، یہ برستی رات اور یہ جذبات کا شعلہ خو بچے کی مانند مچل مچل جانا۔

۲ر نومبر

میں حیران ہوں کہ حزبِ مخالف کے راہنما کیوں کر جیل یاترا کے لئے ہر گھڑی کمر بستہ رہتے ہیں۔ کبھی سالوں میں ایک مرتبہ مصلحتاً ڈیڑھ دو جیل ہی کو ہو گئے۔ اپنا تو یہی مشغلہ رہا ہے۔

رات دن کی جلسے جلوسوں کی گھما گھمیاں، ہنگامہ خیز مجمعے۔ پُر تکلف دعوتیں، اور مقوی غذائیں، کھانے کو قسم قسم کی شرابیں پینے کو، نو بہ نو لباس پہننے کو۔ اور کلبوں کی دلکش رونقیں، جیل کی چار دیواری میں یہ نعمتیں کہاں؟ میں نے مانا کہ جیل کسی لیڈر کے خوشگوار مستقبل کی ضامن ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس مرحلے کا طے کرنا کتنا ضروری تصور کیا جاتا ہے، اور مجھے اعتراف ہے کہ جیل ہی وہ جگہ ہے جہاں دنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور عظیم المرتبت سیاست داں، پابجولاں لائے گئے۔ لیکن جب جیل کی کال کوٹھریوں کی زینت بننے کے بغیر ہی سب مراحل طے کر لئے جائیں اور وہ سب کچھ ہاتھ آ جائے جس کا جیل گئے بغیر حاصل ہونا سہل نہیں۔ تو پھر مجھے خواہ مخواہ ان آسائشوں کو خیرباد کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیل میں لاکھ سہولتیں سہی۔ لیکن جیل آخر جیل ہے۔ کسی بدنصیب طائر کو آہنی قفس کی بجائے سنہری پنجرے میں مقید کر دیا جائے تو کیا وہ مطمئن ہو سکتا ہے؟ اگرچہ میں آغازِ قیادت میں "قید و بند" سے ضرورت کے مطابق

حظ اندوز ہوا ہوں" تاہم اب تو بعض ایسی عادات اختیار کر چکا ہوں جو فطرتِ ثانیہ ہو چکی ہیں اور اُن کے بغیر زندگی کا ایک لحظہ بھی بسر کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

۵ نومبر

اب تو میں نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مشہور ہو رہا ہوں چنانچہ کل کے مانچسٹر گارڈین میں میرے متعلق ایک پرزور مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔ اور اوّلیں صفحہ پر میرا فوٹو بھی ہے۔ میری شاطرانہ سیاست اور ناکام ثابت ہو؟ اگرچہ ایک ایسی قوم کی عنانِ قیادت میرے ہاتھ میں ہے۔ جو "لیڈرگری" میں بہت حد تک بدنام ہو چکی ہے۔ چنانچہ بیسیوں لیڈر منصۂ شہود پر آئے اور اگر ایک وقت میں انھیں بام ثریا کی دلفریب رفعتیں نصیب ہوئیں۔ تو دوسرے وقت میں وہ تحت الثریٰ میں گرا دیئے گئے۔ مگر یہ صرف میری خوش قسمتی کا حصہ ہے کہ میں بدنام ہر دلعزیز چلا آ رہا ہوں۔ اوّل اوّل مجھے بھی گوناگوں ناکامیوں اور نامرادیوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ مگر اب میں نے قوم کا مزاج بھانپ لیا ہے اب یہی قوم مجھے اپنی آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔ میرے شاہانہ جلوس نکالے جاتے ہیں۔ مجھے سونے، چاندی میں تولا جاتا ہے۔ کیلنڈروں پر میری تصویریں چھاپی جاتی ہیں۔ میری شان میں قصیدے رقم کئے جاتے ہیں اور میری ہلکی سی مسکراہٹ اس کے قہقہوں کا باعث ہوتی ہے۔

اب ملک کی فرقہ وارانہ صورتِ حالات روبہ اعتدال ہو رہی ہے

مگر یہ اعتدال دیر پا ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ انہیں جھگڑوں کی بقا پر میری سیاست کا انحصار ہے۔

آج افتخار کی والدہ کا رجسٹرڈ خط موصول ہوا جسے پڑھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اچھا ہوا کہ اس نے اپنی روش ترک دی ہے۔ ہاں برسات کی آخری۔ لونڈوں کی طرح انسان کی آخری نصیحتیں بھی بے کار نہیں جاتیں۔

۵ ر نومبر

آج صبح آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد صبوحی سے رات کی بادہ آشامی کے خمار کا علاج کیا۔ اور کچھ دیر کے بعد مخالف اور موافق تازہ اخبارات سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کی۔ میں نے مانا کہ جرائد پر ہی لیڈروں کی شہرت کا انحصار ہے۔ اگر یہ ہمیں درخور اعتنا نہ سمجھیں تو اور کون ہمارا پرسان حال ہو جس طرح ویدوں، حکیموں، ڈاکٹروں اور سوداگروں کو اشتہار بازی کی ضرورت لاحق ہے اسی طرح لیڈر بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ گزشتہ دنوں ..... اخبار نے جو میری جماعت ہی کا ایک آرگن تصور کیا جاتا ہے اور اس کے ایڈیٹر کو بارہا میری خاص محفلوں میں باریاب ہونے کا اتفاق ہوا ہے میرے خلاف افتتاحی مقالے لکھنا شروع کر دیئے تھے اور میں جانتا تھا کہ اسے مبلغ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی مٹھی گرم کر دی اور اس کے اعزاز میں ایک پُر تکلف ٹی پارٹی کا اہتمام کر دیا۔

دہان سگ از لقمہ دوختہ بہ

کے مصداق اُسے دوبارہ اپنا ہم خیال بنا لیا گیا۔ ورنہ ڈر تھا کہ وہ ان رازہائے سربستہ کا انکشاف کر دے۔ جن کا سوا اس کے کسی کو علم نہیں۔ اس ساری وقعت کے باوجود اگر اس عالم بے اماں میں ہماری سیاسی

تنظیمیں نہ ہوں تو اخبارات کو خبروں کے لئے مواد کہاں سے ہاتھ آئے؟ کبھی کوئی کانفرنس ہو رہی ہے۔ کسی جلسے میں طویل تقاریر کی جا رہی ہیں ملک میں عالمگیر ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے اور کبھی گورنر یا وائسرائے سے ملاقاتوں کا تانتا بندھا ہے۔ ملک کے طول و عرض میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں اور آگ و خون کا ہولناک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے "اگر ہم لوگ نہ ہوتے تو یہ ہنگامے کیوں کر پیدا ہو کر زیب عنوان ہو سکتے"؟

۷ نومبر

مجھے اپنی لیڈری کے آغاز کا وہ پرعسرت زمانہ بھی یاد ہے جب میری شہرت اپنے شہر ہی کی چار دیواری سے متجاوز نہ ہوئی تھی جب میں تھرڈ کلاس کے متعفن ڈبے میں ریل کا سفر اختیار کرنے پر مجبور تھا جب محض قلیل المقدار چندوں پر گذر اوقات تھی اور جب ایک معمولی مکان میں سکونت گزیں تھا، رفتہ رفتہ میری شہرت شہر کی چار دیواری کو پھاند کر ملکی سیاست میں مدغم ہونے لگی، میں ریلوے کے فسٹ کلاس کے ڈبے میں سفر کرنے لگا اور چندوں کی کثیر المقدار رقم سے ایک بنگلہ تعمیر کرا لیا گیا۔ اب متمول لوگوں میں میرا شمار ہوتا ہے۔ بذریعہ طیّارہ سفر کرتا ہوں۔ اور بیرونی ممالک کے دور دراز گوشوں تک مشہور ہو چکا ہوں۔ سنتے تھے کہ تہذیب نے کافی ترقی حاصل کی ہے مگر یقین نہ آتا تھا، لیکن اب جبکہ اپنا معیار زندگی بلند ہو چکا ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

آخر میں حقائق کو کہاں تک پردۂ اخفار میں رکھوں گا، تہذیب کیا ہے؟ یہی ہنر کے ساتھ عیب کرنا۔ خوش اسلوبی سے زمانہ کی آنکھوں میں خاک جھونکنا، اور مکارانہ طریق سے دنیا کو دام تزویر میں لانا۔

میں کیا تھا؟ مگر خدا رکھے "وضعداری" کو دیکھتے دیکھتے قدر و منزلت کی قابل رشک بلندیوں تک جا پہونچا ہوں۔

۵ نومبر

علے الصبح اٹھا، اور اپنے بنگلے کے پائیں باغ میں چہل قدمی کرتے وقت ایک سنہری تجویز ذہن میں سمائی کہ چند تصانیف مرنے سے پہلے دنیا میں چھوڑ جانا ضروری ہیں۔ میری خطابت تو مسلمہ ہے، اور دوست دشمن سبھی کو میری فنکارانہ تقریروں کا اعتراف ہے لیکن ان تقاریر کا سلسلہ تو میرے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جانے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ میری خطابت فنا کی نیند سو جائے گی۔ اور میرے فنکارانہ انداز گمنامی کے کبھی نہ ختم ہونے والے سکوت میں کھو کر رہ جائیں گے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ میری منافقانہ روش مستقبل قریب میں عریاں حقیقت کی صورت میں منصۂ شہود پر آجائے اور آیندہ نسلیں مجھے تاریخ میں غدار اعظم کے حیا سوز خطاب سے نوازنے لگیں۔

اس لیئے لازم ہے کہ میں کسی جوہر قابل کے زرخیز دماغ سے استفادہ کروں۔ اس کا تخیل۔ تصور قابلیت، اور ذہانت، خرید کر چند کتابیں اپنے نام پر تصنیف کرا لوں۔ اگرچہ میرے کئی سوانح حیات مختلف مصنفین نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں لکھے ہیں، اور پبلشروں نے ان کے گراں بہا مسودات کوڑیوں کے مول خرید کر اپنی تجوریوں میں خاطر خواہ اضافہ کر لیا ہے۔ تاہم اب چاہتا ہوں کہ جلد از جلد مذکورہ صدر تجویز کو

عملی پیرایہ میں مزین کروں ۔ اور کسی پبلشر کو کتابیں دینے کی
بجائے خود ناشر بن جاؤں ۔ گھر میں چاندی ہو جائے گا ۔ ہُن برسنے
لگے گا ۔ دنیا بطور تبرک انھیں خریدے گا ۔ لوگ چوگنی قیمت کے عوض
خریدنے پر کمربستہ نظر آئیں گے ۔ ایک زمانہ میرے قلم کی جولانیوں
کی مدح سرائی کرے گا ۔ میرا انداز نگارش ہر ایک سے خراج تحسین وصول
کرے گا ۔ میرا نام رہتی دنیا تک دلوں اور ذہنوں میں نقش جمیل بن کر
جگمگائے گا اور لائبریریاں میری تصانیف کے بغیر سونی نظر آئیں گی ۔

۹ نومبر

میری جماعت میں سے ایک طبقہ میری مے نوشیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا ہے، مگر یہ لوگ کیا جانیں؟ دنیا کے جتنے مشہور لیڈر ہو گذرے ہیں، یا بقیدِ حیات ہیں۔ وہ بھی تو مے نوش ہیں۔ یورپ کا وہ کون لیڈر ہے جو وسکی کے جُرعوں سے اپنے دل کی پیاس نہیں بجھاتا اور دن بھر کی تکان کا علاج ساغرِ لبریز کی آتشیں لہروں میں تلاش نہیں کرتا۔

دنیا کا وہ کون متفکر، شاعر، سیاست داں، فلاسفر، اور ادیب ہے جس کا تفکر، جس کی شعریت، جس کی سیاست۔ جس کا فلسفہ، اور جس کا ادب ارغوانی شراب کی شادابیوں سے ہمکنار نہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کے بغیر دنیا کا کوئی آرٹ رعنائیوں سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

نہ آغاز سوچا نہ انجام پی لی
رکھا ہم نے پینے سے بس کام پی لی
زمانے کی بے رحم گردش کے ہاتھوں
نہ پایا جہاں میں جب آرام پی لی
مئے لالہ گوں کے پیالے میں ہم نے
جو دیکھا رُخِ ماہ گلفام پی لی
ہیں اے شیخ انسان ہی تو بھلا آخر
گھٹاؤں نے پھیلا دیئے دام پی لی

کبھی ہم نے ساغر پہ ساغر چڑھائے
کبھی ہم نے قطرہ قطرہ جام پی لی
تری رحمتوں کے سہارے پہ ہم نے
کئی بار لے کر ترا نام پی لی
کسی شوخ کی مست آنکھوں نے صاحب
دیا بادہ نوشی کا پیغام پی لی

کیا مسٹر اٹیلی شراب نہیں پیتا یا مسٹر چرچل اس کا عادی نہیں؟
کیا امریکہ کا صدر ٹرومین سے لالہ گوں کی سرمستیوں سے ناآشنا ہے؟
مگر قوم انھیں تو ہدفِ ملامت نہیں بناتی۔

۱۰ نومبر

آج دن بھر دعوتوں کا وہ سلسلہ جاری رہا کہ اللہ کی پناہ اب تو دعوتیں اڑانے کا عادی سا ہو گیا ہوں کبھی مجھے کسی سکول کے جلسہ تقسیم انعامات میں مدعو کیا جا رہا ہے اور کبھی کسی کالج کے کلب کی تقریبی دعوت کا بلاوا آرہا ہے۔ کبھی کسی رئیس کے ساتھ بیٹھے انواع واقسام کی غذائیں اڑائی جا رہی ہیں اور کبھی گورنر کی طرف سے دعوتی رقعہ چلا آرہا ہے - روزانہ ڈائری میں اب تو ان دعوتوں کا تذکرہ کچھ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ آخر اتنے واقعات حافظے میں کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں۔

آج تو تمام دن انہی اشغال میں بیت گیا

۱۱ نومبر

چلتے پھرتے! انسانی لاشوں کے ہوشربا مناظر۔ چٹختی ہوئی ہڈیوں کے خوفناک ڈھانچے۔ قحط زدہ روحوں کی آوارہ خرامی، عصمت مآب دوشیزاؤں کی سربازار تجارت، تانبے اور چاندی کے چند ٹھیکروں کے عوض معصوم معصوم عورتوں کے مرمریں جسموں کی خرید و فروخت ...... اُف بنگال کا حشر آفریں قحط۔

آج طبیعت حد درجہ منغض رہی، پہروں سر جھکائے، کچھ سوچا کیا۔ ضمیر گھنٹوں سرزنش کرتا رہا اور عالم پشیمانی میں کچھ ایسی چپ سی لگی رہی کہ یوں محسوس ہوا۔ گویا میں بھڑکتے ہوئے جہنم کے آتشکدہ میں سرخ فام شعلوں کی نذر کیا جارہا ہوں، دنیا کہتی ہے کہ ہر مصیبت قدرت کی کرشمہ سازیوں کا پھل ہے۔ اور ہر بلا کسی کے دست غیب کا اشارہ۔ یہ دنیا آہ یہ دنیا کتنی انجان ہے؟ جی چاہتا ہے کہ آج گریبان چاک چاک کر ڈالوں اور بازار کے ہر چوک، گلی کے ہر موڑ اور محلے کی ہر نکڑ پر کھڑے ہو کر چلاؤں کہ اے خودغرض اور مکار لیڈروں کے فریب خوردہ انسانو! ملک میں جسقدر خونریزی ہو رہی ہے اور جسقدر قتال و جدال کی گرم بازاری ہے وہ میری ہی فریب کاریوں کا نتیجہ ہے۔ انسانی خون کے قطرے

قطرے کا حساب ایک مجھی سے کیا جا سکتا ہے اور جو دکھ دینے کی فراوانیاں، غریبی اور افلاس کی خونچکانیاں اور فرقہ وارانہ فسادات کی شرمناک ہنگامہ آرائیاں موجود ہیں وہ میری ہی مفسدانہ تقریروں کی تخلیق کردہ ہیں۔ کبھی تمہیں مذہب کے نام پر بھڑکایا۔ تمہارے جذبات کو تعصب کی آگ دکھائی، تاریخی روایات کا واسطہ دے دے کر باہم دست و گریبان کیا۔ بھرے بازار سیاہ کھنڈرات کی شکل میں تبدیل ہوکر رہ گئے۔ معصوم بچوں کی لاشیں رقصاں دیکھیں۔ سہاگنوں کے سہاگ لٹتے ہوئے نظر آئے۔ اور بے گناہ انسانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اترتا پایا۔ کبھی میں نے آتش تعصب کو اپنی شعلہ افروز تقریروں کے دامن سے ہوا دی۔ خدا کی وسیع و عریض زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جانے پر زور دیا اور اپنے مطالبے کو اس طرح پیش کیا کہ قوم اسے جزو ایمان سمجھنے لگی اور جو لوگ صدیوں سے آپس میں مل بیٹھنے کے خوگر رہ چکے تھے جنھیں اپنی غیریت کا کبھی احساس تک نہ ہوا تھا۔ جن کی تہذیب جداگانہ تھی مگر وہ یوں دور رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے قریب تھے؛ وہ لوگ ایک دوسرے کے جان لیوا ہوگئے۔ انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف

انسانیت سوز نعرے بلند کرنا شروع کر دیئے۔ ایک دوسرے کا وجود مٹا دینے کی قسمیں کھانے لگے۔

آج دل جھکا جا رہا ہے۔ اٹھوں زہر کی ایک پڑیا کھا کر ضمیر کی ملامت سے نجات حاصل کر لوں، اپنا ناپاک گلا گھونٹ ڈالوں، رسی کا ایک پھندا بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے اپنی مکروہ خوش بیانیوں کا خاتمہ کر لوں۔ آہ میں نے آدم کے جگر پاروں کو فریب دیا ہے! میں ایک سیاہ کار مجرم ہوں۔ میرے جرائم کے لیئے تعزیرات ہند میں کوئی دفعہ موجود نہ ہو۔ مگر مجھے خدا کی بادشاہت، ڈاکوؤں، چوروں، اور قاتلوں سے بڑھ کر مجرم گردانے گی۔ میرا دامن نہ جانے کتنے معصوم انسانوں کے ناحق خون سے داغدار ہے۔ میں نے سادہ لوح قوم کی جیبوں پر ڈاکے ڈالے اور جو چندہ حاصل ہوا اُسے شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا! اب تو موت.... سیاہ موت ہی کی آغوش میں مجھے سکون ابدی نصیب ہو سکتا ہے۔

اب آرزو ہے یہ کہ کوئی آرزو نہ ہو
ایسا ہوا ہوں آج پشیمانِ آرزو

لڑکیاں اور نئے تقاضے

صبح انقلاب نمودار ہوتے ہی زندگی کے جدید تقاضوں نے انگڑائی لی۔ جہاں پہلے عورت کو گناہوں کا سرچشمہ، معصیت کا منڈلاتا ہوا طوفان، مرد کے پاؤں کی جوتی، اور گھر کی روح فرسا چار دیواری کا قیدی اور سامان عیش خیال کیا جاتا تھا اب مرد اس کا صحیح مقام پہچاننے پہنچا ہے۔ چنانچہ صائب عاصمی نے لڑکیاں اور نئے تقاضے کو نہایت کدوکاوش سے محبت بھرے خطوط کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جس میں لڑکیاں اور شادی رومانی شادیوں کی ضرورت اور اُن کی ناکامی کے اسباب، لڑکیاں اور پردہ، لڑکیاں اور علوم و فنون اور اعلےٰ تعلیم، لڑکیاں اور والدین شادی اور اسکی فطری اہمیت، لڑکیاں اور فیشن، لڑکیاں اور جنسی مسائل، مثلاً برتھ کنٹرول وغیرہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اسلوب نگارش کی عنائی طرز بیان کی دلکشی اور اظہار خیالات کی رنگینی نے کتاب کو بے حد دلچسپ بنا دیا ہے اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف ہر تعلیمیافتہ لڑکی کے لئے ضروری ہے بلکہ یہ کتاب والدین کے لئے بھی ایک بے باک و بے خوف اور شفیق راہنما ہے:۔ قیمت دو روپے

نغمات زندگی

یہ کتاب ملک کی مشہور انشاپرداز اور حقیقت نگار محترمہ کلثوم حمید صاحبہ بانس

کے فلسفیانہ ادب پاروں کا ایک حسین جمیل مرقع ہے جس کا ایک ایک ادب پارہ زندگی کے حقائق کی پردہ کشائی کرتا ہے، انداز بیان اور طرز نگارش نہایت دلکش اور سحر آفریں ہے۔ کتاب کے آغاز میں ملک کی مشہور آتش نوا شاعرہ محترمہ زیب عثمانیہ لدھیانوی (گولڈ میڈلسٹ) کا مقدمہ اور صائب عاصی کی تقریظ درج ہے، جو مصنفہ کی شخصیت کو اجاگر کرنے میں کافی مدد دیتی ہے۔ قیمت عہ

پریم ساگر

اگر آپ زندگی کی حقیقتوں کا تجزیہ عریاں، دلفریب اور رنگین انداز میں کرنے کے عادی ہیں تو آج ہی دلفریب: دلکش، افسانوں کا مجموعہ "پریم ساگر" منگوائیے، جو ملک کے مشہور افسانہ نگار "پریم ساگر" کے سحر نگار قلم کا نتیجہ ہے۔ دیباچہ ملک کے جوان سال اور جواں افکار شاعر و ادیب صائب عاصی کے خامۂ جواہر رقم کا مرہون منت ہے

قیمت دو روپے علاوہ محصولڈاک

نورما

ایک حسین دلربا ہندوستانی کنیز کی داستان ہے جس نے دہلی میں قتل عام کرنے والے نادر شاہ کے دل پر قبضہ کیا۔ اور آخر میں اسے ایسی شکست فاش دی کہ وہ ہندوستان کی فتح کا سارا لطف بھول گیا۔

ایک المناک افسانہ، دل کے ٹکڑے کر دینے والا ناول۔ جو مشہور افسانہ نگار مس اختر حسین قریشی دہلوی بی۔ اے۔ بی ٹی کے حسین تخیل کی تخلیق ہے۔ نئرہ نکار رنگین ٹائیٹل ۲۵۰ صفحات۔ قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: عماد اردو پبلشنگ ہاؤس پوسٹ بکس ۱۴۷ دہلی